ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

رسالت محمدی کی وسعت و عمومیت

علم و دانش کی دنیا میں یہ حقیقت اب کسی بحث و تحقیق یا استدلال و اثبات کی محتاج نہیں رہی کہ ہمارا یہ نظامِ کائنات تطور و ارتقا کا مرہونِ منت ہے۔ عالمِ انسانیت بھی اسی نظام کا ایک حصہ ہونے کی حیثیت سے تطور و ارتقا کے اسی قانون کے تابع ہے، وہ بھی عدم سے وجود میں آنے کے بعد قدرتِ ربانی اور ہدایتِ رحمانی کی روشنی میں ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ جس طرح ایک فردِ انسانی شکمِ مادر میں تطور اور ارتقا کے قانون کے مطابق تخلیقی مراحل طے کرتا ہے اور پھر لحد تک ارتقائی منازل سے گزرتا ہے، اسی طرح اوّل الناس یعنی اولینِ انسان نے بھی ارتقائی منزلیں طے کی ہوں گی۔ ابوالبشر حضرت آدمؑ مادرِ گیتی کے گہوارۂ خاک سے جسمِ فانی کے لباسِ فاخرہ سے مزین ہونے کے بعد ارتقائی منازل سے گزرے۔ یہ منازلِ ارتقا گہوارۂ جنت سے لے کر خلافتِ ارضی کا منصب سنبھالنے اور معمورۂ جہاں میں مشقت اور جدوجہد کی تھکا دینے والی مگر پُرعزم و پُرعمل زندگی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آدم کی اولاد بھی اپنے ذہنی و فکری ارتقا میں کئی مراحل سے گزرتی رہی۔ انسانیت کے ذہنی ارتقا کا پہلا مرحلہ طفولیت کے مرحلے کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر تربیت و نشوونما کے مراحل سے گزرنے کے بعد فکر و ذہن کی پختگی کا عہدِ شباب بھی آیا اور یوں انسانی تمدن و تہذیب کا قافلہ آگے بڑھتا رہا اور خلیفۃ اللہ کی اولاد خلافتِ ارضی کا بارِ امانت اٹھائے تسخیرِ کائنات کی راہ پر گامزن رہی۔ مگر یہ سب مراحل اللہ کی حکمتِ جاوداں اور ہدایتِ سرمدی کی ازلی و ابدی روشنی میں طے پاتے رہے۔

قرآن کریم کی رو سے خلافتِ ارضی کے منصب کا بارِ امانت اٹھانے کے ساتھ ساتھ الہام و القائے ربانی کا شرف بھی سب سے پہلے حضرت آدم ہی کو حاصل ہوا اور ان کے توسط سے اُن کی اولاد کے لیے جو پیغامِ الٰہی عام ہوا وہ یہ تھا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (الاعراف : ۳۵)

اے اولادِ آدم! اگر تمھارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں (جو) میری آیات تمھارے سامنے بیان کریں تو جو کوئی تقویٰ اختیار کرے گا اور اصلاح کا کام کرے گا تو ان کو نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

علم و معرفت کی یہ روشنی جس کی بدولت آج انسان سمندروں اور پہاڑوں کا جگر چیرتے ہوئے گزر کر مہ و مہ کی تسخیر پر کمربستہ ہے، تمدن اور تہذیب کی یہ رعنائیاں جنھوں نے کرۂ ارضی کو حسین سے حسین تر اور زندگی کو دلچسپ سے دلچسپ تر بنا دیا ہے یا فکر و ذہن کی یہ بلندیاں جو عظمتِ انسانیت اور احترامِ آدمیت کا زینہ نظر آتی ہیں، یہ سب کچھ اسی سلسلۂ نبوت کا ثمرہ و نتیجہ ہے جو اس ارشادِ ربانی کے مطابق جاری ہوا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ رسالتِ محمدی پر سلسلۂ نبوت کا اختتام وہ نقطہ ہے جو تاریکی و روشنی کے درمیان حدِ فاصل ہے، جہالت اور علم کے درمیان ایک ایسا فیصلہ کن لمحہ ہے جس کے بعد اجالا ہی اجالا ہے۔ اس نقطے پر آپ کی توجہ بعد میں مبذول کرائی جائے گی، سردست کہنے کی بات یہ ہے کہ قافلۂ انسانیت کی قیادت کا جو فریضہ انبیائے کرام کے سپرد ہوا تھا، اسی کے نتیجے میں انسانیت اپنے ذہن و فکر کے مختلف تکمیلی مراحل سے گزری ہے۔

انسانی قیادت و رہنمائی کا یہ سلسلۂ نبوت، جس کا روزِ ازل میں خالقِ ازل و ابد نے اولادِ آدم سے وعدہ کیا تھا اور اس وعدۂ ربانی کے مطابق انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کا سامان ہوتا رہا، قرآنِ مجید کی رُو سے ہر خطۂ زمین اور ہر قوم میں جاری و ساری رہا، ارشادِ خداوندی ہے:

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝ (فاطر: ۲۴)

یعنی کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نہ کوئی پیغامِ حق کے ذریعے ڈرانے والا ہادیِ برحق مبعوث نہ ہوا ہو

ایک اور مقام پر انسانی قیادت کے اس سلسلے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان یوں ہے:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (الرعد، ۷)

یعنی ہر قوم و نسل کے لیے کوئی نہ کوئی ہادیِ برحق اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتا رہا ہے۔

قرآن کریم کے اس نظریۂ نبوت و قیادت کی رو سے دنیا کا کوئی خطہ یا قوم ایسی نہیں ہو سکتی جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی نبی اور ہادیٔ برحق مبعوث نہ کیا ہو۔ تاریخِ انسانی میں جہاں اور جب کوئی قوم یا انسانی گروہ آباد ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدۂ ازلی کے مطابق ان کی ہدایت و رہنمائی کا سامان فرمایا اور انہی میں سے ایک برگزیدہ و پاکیزہ ہستی کو منصب نبوت پر فائز کیا اور ان کی ہدایت و رہنمائی کا کام اسی کے سپرد کیا۔ ایک روایت کے مطابق ایسے نفوسِ قدسیہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئی ہے۔ اس عدد سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبوت و قیادت کا یہ سلسلہ ہر خطے اور ہر قوم تک وسیع ہونا چاہیے۔

تاریخِ ادیان و مذاہب اور قرآن کریم کے مطالعے سے یہ بات کسی شک و شبے کے بغیر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ نبوت کے منصب پر فائز کیے جانے والے یہ نفوسِ قدسیہ صرف اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کا فریضہ لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ ان کی تعلیمات ایک محدود زمانے اور محدود لوگوں کے لیے تھیں۔ کسی نبی کی نبوت میں یہ اعلان نہ تھا کہ وہ سب کے لیے ہے اور تمام انسانوں یا ایک سے زیادہ اقوام کے لیے اسے مبعوث کیا گیا ہے۔ تاریخِ انبیا میں دو موڑ ایسے آئے ہیں جن کا انسانیت کی محفوظ و معلوم تاریخ میں واضح طور پر تذکرہ موجود ہے۔ یہ دو موڑ تھے نبوتِ موسوی اور نبوتِ عیسوی کا اعلان، اللہ کے ان دونوں اولوالعزم پیغمبروں نے تاریخِ انسانی میں عظیم الشان اور اَن مٹ نقوش چھوڑے ہیں، ان دونوں کے ماننے والے آج بھی اہم حیثیت و مقام کے ساتھ موجود ہیں، آئیے ذرا ان دو عظیم المرتبت نبیوں کے پیغامِ ربانی کی حدود معلوم کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پُرہیبت اور عظمت و جلال والے پیغمبر تھے۔ فرعونِ وقت کے سامنے جس عزم و استقلال اور ثابت قدمی و اعتماد کے ساتھ انھوں نے کلمۂ حق بلند کیا، اس کے متعلق قرآنِ مجید کی رُو سے وہ بنی اسرائیل کی نجات اور قیادت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور فرعون سے ان کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۝ (الاعراف، ۱۰۵) (یعنی اولادِ اسرائیل کو تو میرے ساتھ بھیج دے)۔ تورات میں بھی نبوتِ موسوی کی حدود واضح طور پر متعین ہیں، چنانچہ کتابِ خروج کے باب سوم کے فقرات چھ سے دس تک میں یوں بیان ہوا ہے،

"موسیٰ نے ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا۔ وہ یہ دیکھنے

ہو گئے ہیں۔ تب خدا نے جو نمبے کے اندر سے پکارا: میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی جو خراج لینے والوں کے سبب سے ہے سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں اور میں نازل ہوا ہوں کہ انھیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کے اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور یبوسیوں کی جگہ لاؤں۔ اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں، دیکھا ہے، پس اب تو آ۔ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال۔"

کتاب مقدس کے اس بیان سے نبوت موسوی کی حدود اور مقاصد واضح طور پر متعین ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید اور تورات کے بیان میں کوئی فرق نہیں، جہاں تک رسالت موسوی کا تعلق ہے تو اس کی حدود قرآن کریم اور تورات کی رو سے ایک سی ہیں۔ یعنی بنی اسرائیل کی فرعون سے رہائی اور رہنمائی۔ لیکن قرآن مجید اس معاملے میں تورات سے مختلف ہے کہ اللہ کی ذات کی ربوبیت اور رحمت صرف بنی اسرائیل یا کسی اور قوم تک محدود ہے، قرآن کی رو سے موسیٰ نے اللہ کو رب العالمین فرمایا اور اس کی رحمت کے متعلق فرمایا: وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف: ۱۵۶) (یعنی میری رحمت تو کائنات کی ہر ہر شئی کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیے ہوئے ہے)۔

نبوت موسوی کے ساتھ ساتھ شریعت موسوی کو بھی صرف بنی اسرائیل کے لیے نوشتۂ ہدایت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ تورات کی کتاب استثنا کے تینتیسویں باب میں یوں آیا ہے کہ:

"موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت دی اور یعقوب کی جماعت کی میراث ہو۔"

یہ تو تھا حال موسوی، اب ذرا حال عیسوی کا ملاحظہ ہو، حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ کی طرح ایک صاحب شریعت نبی تھے۔ تمام انبیائے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد ان کا مقام ہے۔ قرآن مجید کی رو سے وہ بھی بار بار یہی اعلان فرماتے ہیں کہ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ (الصف: ۶) کہ اے اولاد بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور دوسرا کام یہ بیان ہوا ہے کہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف: ۶) یعنی ایک ایسے رسول کے آنے کی خوش خبری سنانے آیا ہوں جو میرے بعد مبعوث ہوگا اور جس کا اسم گرامی احمد ہوگا۔

قرآنِ مجید کے علاوہ انجیل مقدس سے بھی نبوتِ عیسوی کی حدود صرف بنی اسرائیل کی ہدایت تک سمٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔ انجیل متی کے پندرھویں باب میں ایک غیر اسرائیلی عورت کا ذکر ہے۔ جو حضرت مسیح کی خدمت میں اپنی بیمار بیٹی کو لے کر حاضر ہوئی تھی اور چاہتی تھی کہ وہ اپنے اعجازِ مسیحائی سے اس کے دکھ درد کا علاج کر دیں، مگر حضرت مسیح نے اس غیر اسرائیلی عورت سے خطاب کرتے ہوئے یوں فرمایا تھا کہ: میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ پر وہ آئی اور اسے سجدہ کرتے ہوئے کہا: اے خداوند میری مدد کر، لیکن حضرت مسیح نے جواب میں فرمایا تھا: مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں!

انجیل متی میں ہی یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت مسیح ناصری نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لیے روانہ کیا تو انھیں یہ نصیحت و ہدایت فرمائی تھی کہ: "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔

قرآنِ مجید اور انجیل مقدس کے اس بیان کو ملا کر پڑھیے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جمالِ عیسوی صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی ہدایت اور رکھوالی کے لیے تھا اور انھیں لڑکوں کی روٹی کتوں کو دینے کا حکم نہ تھا؛ وہ سلسلۂ نبوت کی وہ کڑی تھے جس کا ایک مقصد محدود نبوت کے سلسلے کی تکمیل اور جمال و جلالِ محمدی کی رحمۃ للعالمینی کی بشارت دینا بھی تھا۔

فکر و تحقیق نے اس نتیجے کا اعلان کر دیا ہے کہ شریعتِ موسوی میں تشدد اور سخت گیری تھی، اس لیے کہا جاتا ہے کہ جلالِ موسوی کا پرتو ایک سخت گیر قانون کا ظہور تھا جب کہ شریعتِ عیسوی میں بے حد نرمی اور سہولت ہے، اس لیے کہا گیا کہ جمالِ عیسوی کی خصوصیت ہی پُر امن عاجزی اور مشفقانہ سہولت ہے، لیکن رسالتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام توازن اور اعتدال کا نظریۂ زندگی ہے جس میں جلال بھی ہے اور جمال بھی، سختی بھی ہے اور نرمی بھی، مگر نہ انتہا کی نرمی ہے اور نہ انتہائی سختی ہے، بلکہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک توازن اور اعتدال کی راہ ہے۔ جس میں دوست و دشمن سے یکساں محبت کا حکم تو نہیں مگر دونوں سے یکساں عدل و انصاف کا حکم موجود ہے۔ دوست سے محبت تو ممکن العمل ہے مگر دشمن سے محبت ممکن العمل نہیں۔ ہاں دونوں کو عدل و انصاف کے طے شدہ اصولوں پر تولا جا سکتا ہے، یہی

لیے حکم ہوا کہ :

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ز

(المائدہ ، ۸)

کسی قوم کی دشمنی تمھیں ناانصافی کے جرم پر آمادہ نہ کرنے پائے ، انصاف کرو ، یہی تقویٰ کے قریب ترین راستہ ہے ۔

قرآنِ مجید میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو کسی خطے یا کسی قوم کے ساتھ مختص نہیں کیا گیا ۔ آپ کو یہ حکم ہوا کہ اپنے عشیرۃ اقربین یا قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں یا عرب کے لڑاکا اور جھگڑالو گروہوں کو راہِ ہدایت پر لائیں مگر یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو صرف قریشِ مکہ یا اہلِ عرب کے لیے نبی مبعوث کیا ہے بلکہ آیاتِ قرآنی میں جہاں عرب میں نبوتِ محمدی کے ظہور کا ذکر ہے وہاں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا کہ آپ صرف عرب کے لیے مختص تھے ۔ عرب کے اُمیّوں کی رہنمائی آپ کا اوّلین فریضہ تھا کیوں کہ قرآن مجید کے اوّلین مخاطبین وہی تھے ، مگر جہاں اس کا ذکر آیا وہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو اُمیّوں کی طرف مبعوث کیا ہے ۔ (بعث الی الامیین) بلکہ کہا گیا کہ ہم نے آپ کو اُمیّوں میں مبعوث کیا ، دونوں اندازِ بیان الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں ۔ آپ کا اُمیّوں میں مبعوث ہونا تو حقیقت واقعی ہے لیکن صرف اُمیّوں کی طرف مبعوث ہونا خلافِ واقعہ ہے ۔ سورۃ الجمعہ میں ارشاد ہوتا ہے :

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ق (الجمعہ : ۲)

یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے اُمیوں میں رسول بنا کر مبعوث کیا جو انہی میں سے ہے ، وہ انھیں آیات پڑھ کر سناتے ہیں ۔ انھیں پاکیزہ بناتے ہیں اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں ۔

سورۃ آل عمران میں نبوتِ محمدی کو اہلِ ایمان کے لیے ایک احسان اور نعمت قرار دیا گیا ہے مگر یہاں بھی یہ تخصیص نہیں ہے کہ آپ صرف مومنین کے لیے رسول اور ہادی ہیں کیوں کہ آپ کی نبوت عام ہے اور تمام انسانیت کے لیے ہے ، جس میں مومن و کافر ، ماننے والے اور نہ ماننے والے سب شامل ہیں ، قرآنِ مجید کے الفاظ ہیں

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (آل عمران : ۱۶۴)

یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر یہ احسان کیا ہے کہ ان میں ایک رسول مبعوث کیا ہے جو انہی میں سے ہے جو ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انھیں پاکیزہ بناتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

قرآن کریم کی ان دو آیات میں اس حقیقت واقعی کو تو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے اُمّیوں میں پیدا ہوئے اور انہی میں رہتے ہوئے منصب نبوت پر فائز ہوئے اسی طرح یہ مسلّم حقیقت بھی بیان ہوئی کہ آپ کی نبوت اہلِ ایمان کے لیے ایک عظیم احسان ربانی ہے اور یہ کہ آپ اہلِ ایمان میں مبعوث ہوئے لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ آپ کو عرب کے اُمّیوں یا مومنین کی طرف مبعوث کیا گیا۔ قرآن کریم دیگر انبیا کی نبوت و رسالت کا اعلان کرتے وقت "الی قومہ" کہتا ہے مگر نبوتِ محمدیؐ کے اعلان میں "الی الامیین" یا "الی المومنین" کے بجائے "فی الامیین" اور "فیھم" کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ "الی" میں نبوت کی تخصیص ہو جاتی ہے مگر "فی" سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش اور موجودگی عرب میں تھی جو ایک تاریخی حقیقت ہے اور جس سے انکار بے معنی ہے۔

سورہ الاعراف ایک مکی سورت ہے۔ مکی دور کی سورتوں میں سے نبوت اور رسالت کے باب میں یہ سورت خاص اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ اس میں ان انبیا کا ذکر ہے جو مختلف زمانوں میں اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے رہے۔ ہر نبی کو الی قومہ (اس کی اپنی قوم کی طرف) کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح ہر نبی کے منہ سے یا قومی (اے میری قوم!) کے الفاظ ادا ہوئے ہیں لیکن جب رسالتِ محمدیؐ کے اعلان کا وقت آتا ہے تو الفاظ بدل جاتے ہیں، اسلوبِ بیان بدل جاتا ہے اور آپؐ کو یوں حکمِ اعلان ہوتا ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (الاعراف : ۱۵۸)

یعنی آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کے لیے

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے!

ناقدینِ ادب کے ہاں اکانومی آف ورڈز یا اقتصادِ لفظی ایک بہت بڑی خوبی ہے جو کسی اسلوبِ بیان کو امتیاز عطا کرتی ہے۔ قرآن کے اسلوبِ بیان سے بحث کرنے والے یہ جانتے ہیں کہ اس کا کوئی لفظ زائد نہیں اور کوئی لفظ بے موقع نہیں یعنی اگر کوئی لفظ اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو بات ناقص اور ادھوری معلوم دے اور جو مقصد اس موقع پر بیان کرنا ہے وہ سمجھ میں نہ آسکے۔ اگر یہ بات ہے تو آیتِ کریمہ میں تین الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔ ایک لفظ "ناس" ہے جو تمام افرادِ انسانی کے لیے بولا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی ابہام رہ سکتا ہے کہ شاید کچھ خاص لوگ مراد ہوں، چنانچہ اس کا ازالہ ایک دوسرے لفظ "جمیعًا" سے کیا گیا یعنی لوگ مگر سب! گویا اس میں استثنا کی گنجائش باقی نہ رہی، نسلِ انسانی کے تمام افراد اس میں شامل ہو گئے۔ لیکن حق تعالیٰ علام الغیوب کو اب بھی ایک کمی معلوم تھی جسے ملک السموات والارض کے الفاظ سے دور کر دیا گیا یعنی جس طرح اللہ رب العالمین کی ربوبیت اور بادشاہت تمام جہانوں کے لیے ہے، اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و رحمۃ للعالمینی تمام جہانوں کے لیے ہے۔ رب العالمین کی ربوبیت اور رحمۃ للعالمین کی نبوت کی وسعت و عمومیت تمام جہانوں پر محیط ہے۔

قرآنِ مجید کی ایک اور مکی سورت ہے جو سورتِ سبا کے نام سے معروف ہے، نبوت کے مکی دور میں بہت پہلے نازل ہوئی تھی، اس سورت کی ایک آیت میں بھی رسالتِ محمدی کی وسعت و عمومیت کا اعلان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمام انسانیت کے لیے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سبا: ۲۸)

یعنی ہم نے تو آپ کو تمام ہی لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر مبعوث کیا ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے!

اس آیت کے الفاظ میں "کافۃ للناس" کی ترکیب نہایت اہم ہے جس میں سے نسلِ

انسانی کے کسی فرد کا استثنا ناممکن ہے جس جس فرد پر لفظ انسان کا اطلاق ہو سکتا ہے وہ رسالتِ محمدی کا مخاطب ہے۔ "بشیر و نذیر" بنا کر مبعوث کرنا رسالتِ محمدی کی اس خصوصیت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ آپ کا پیغام توازن و اعتدال کا حامل ہے۔ اس میں جلالِ موسوی اور جمالِ عیسوی کا امتزاج ہے جو دینِ اسلام کو دینِ فطرت ہونے کا درجہ عطا کرتا ہے، جس میں انسانی فطرت کو متوازن و معتدل انداز میں ڈھالنے اور اس کی زندگی کے کسی پہلو کو فراموش کرنے کی اجازت نہ دینے کی تاکید ہے۔ آیت کے آخری الفاظ میں اس حقیقت کی پیشین گوئی ہے کہ جہالت و تاریکی رسالتِ محمدی کی وسعت و عمومیت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے گی مگر حقیقت کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہمیشہ عیاں ہو کر رہتی ہے۔

رسالتِ محمدی کے مکی دور کے بالکل ابتدائی دنوں کی ایک اور قرآنی سورت ہے جو سورتِ انبیا کے عنوان سے مشہور ہے۔ اس سورت میں انبیائے سابقین کے منصبِ نبوت اور پیغامِ حق سنانے کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہ جد الانبیا موحدِ اعظم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نبوت کے مخاطبین بھی ان کی اپنی قوم ہی کے لوگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وسعت و عمومیت کا یوں اعلان فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیا : ۱۰۷)

یعنی ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

قرآنِ کریم کی یہ آیت آپ سب کا ورد زبان ہے۔ آپ اس کے معنی اور مفہوم پر بھی یقیناً غور فرماتے ہوں گے، اس لیے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جمالِ عیسوی کا اعجازِ مسیحائی اور شفقت صرف اسرائیل کے لڑکوں کے لیے تھی جسے دوسروں پر عام کرنا اللہ کے فرمان کی خلاف ورزی تھی مگر رسالتِ محمدی کی رحمۃ للعالمینی کا دائرہ تو تمام جہانوں کو محیط ہے۔ اس رحمتِ عامہ کی حدود تو عالمِ انسانیت سے تجاوز کر کے دیگر جہانوں کو بھی اپنے سایۂ عاطفیت میں لے رہی ہیں۔

آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ یہ تمام آیات مکی ہیں اور خصوصیت کے ساتھ اس بات کی بار بار نشان دہی کی گئی ہے کہ یہ سعادت مکی ہے یا مکی دور کے فلاں زمانے سے تعلق رکھتی ہے، اس

کا ایک خاص مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ معاندینِ اسلام اور یورپ کے مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت شروع میں صرف اہلِ عرب یا اہلِ مکہ کے لیے تھی اور یہ کہنا کہ آپ
تمام انسانیت کے لیے ہادی اور رہنما ہیں بعد کی ایجاد ہے مگر آپ نے دیکھ لیا کہ یہ آیات مکی
سورتوں میں آئی ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسالتِ محمدی کو صرف عرب تک محدود
قرار دینا سراسر جہالت اور عناد کی پیداوار ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت پر فائز فرماتے ہی
آپ کو رحمۃ للعالمین اور کافۃ للناس نبی ہونے کا شرف عطا کیا اور آپ کو حکم ہوا کہ تمام انسانیت
کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اعلان فرمائیں کہ میں سب انسانوں کے لیے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں،
اس لیے صیہونیت پسند مستشرقین کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد یثرب کی بستیوں
کے یہودیوں سے میل ملاپ کے بعد ان سے متاثر ہو کر رسالتِ محمدی کی عمومیت و شمول کا
اعلان ہوا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ مکی دور کی آیاتِ قرآنی میں تو تمام انسانیت سے
خطاب ایک عام معمول کی چیز ہے جب کہ مدنی دور کی آیات میں اکثر و بیشتر خطاب جماعتِ
مومنین سے ہے، اگرچہ اس دور میں رسالتِ محمدی کی وسعت و عمومیت اور ایک عالم گیر
پیغامِ ہدایت ہونے کے قوی ترین شواہد بھی سامنے آتے ہیں۔

عرب قومی نخوت و غرور کے نشے سے چور تھے، قومی تفوق و تفاخر ان کا مرغوب ترین مشغلہ اور
سب سے قیمتی سرمایہ تھا، لیکن سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ یا مبہم اشارہ بھی
ایسا نہیں ملتا کہ آپ نے عربوں کے اس جذبۂ قومیت کی تسلی یا تسکین کی کوئی بات کبھی کی، بلکہ اس
مذموم جذبۂ تفاخر کو مسترد کر دیا اور ایسے عناصر کو دبا دیا جو اس کے مدعی یا آرزومند تھے۔ امام ابن
تیمیہ نے اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں عربی زبان کی اہمیت کے ضمن میں ایک واقعہ لکھا
ہے کہ: عرب کا ایک بادیہ نشین نومسلم قیس بن مطاطہ مدینہ منورہ میں وارد ہوا، اصحابِ
رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک حلقے میں تشریف فرما تھے، مہاجرین و انصار کے ساتھ حضرت صہیب
رومی، سلمان فارسی اور بلال حبشی بھی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر کہ عربوں میں غیر عرب کیوں ہیں،
بدو کی رگِ قومیت پھڑک اٹھی اور کہنے لگا، ھذا الاوس والخزرج قد قاموا بنصرۃ ھذا
الرجل فما بال ھؤلاء؟ کہ اوس اور خزرج کا تو آپ کی مدد کرنا سمجھ میں آتا ہے مگر یہ تین

غیر عرب یہاں کیا لینے آئے ہیں ؟ حضرت معاذ بن جبل بھی وہاں موجود تھے، بدو کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا کہ اس شخص پر عرب قومیت کا بھوت سوار ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غصے کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے، چادر زمین پر گھسیٹتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے، پھر اعلان ہوا کہ الصلاۃ جامعۃ وقت نماز ہے، آؤ جمع ہو جاؤ۔ آپ منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا :

ایھا الناس ! ان الرب رب واحد والاب اب واحد والدین دین واحد و ن العربیۃ لیست لاحدکم باب ولا ام انما ھی لسان فمن تکلم العربیۃ فھو عربی ۔

یعنی اے لوگو ! رب بھی ایک ہے۔ باپ بھی سب کا ایک ہے، دینی حق بھی سب کا ایک ہے، رہی عربی زبان تو یہ تم میں سے کسی کی نہ ماں ہے نہ باپ، یہ تو بس ایک زبان ہے، اس لیے جو بھی عربی بولے گا وہ عرب ہی ہے !

اس کے ساتھ اگر خطبہ حجۃ الوداع، جو انسانی حقوق کی سب سے پہلی سرکاری دستاویز ہے، لے یہ الفاظ بھی اس واقعہ کے بعد بڑھا لیں تو رسالتِ محمدی کی وسعت و عمومیت کی حقیقت یاں ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

یاایھا الناس ! ان ربکم واحد وان اباکم واحد، کلکم لآدم وآدم من راب۔ اکرمکم عند اللہ اتقاکم ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی۔

اے لوگو ! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خاک سے پیدا ہوئے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں معزز ترین وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا متقی ہو، کسی عرب کسی غیر عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔ سوائے تقویٰ کی وجہ سے !

آپ کہہ سکتے ہیں کہ ٹھیک ہے رنگ و نسل کو آپ نے مذموم قرار دیا۔ قوم پرستی اور قومی فاخر کو مسترد کیا مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے کبھی جزیرہ عرب سے باہر کے لوگوں براہ راست خطاب کیا۔ انھیں اسلام کی دعوت تو نہیں دی، آپ کے یہ دونوں خطبات قومیت و قومی تفاخر کے تو خلاف ہیں مگر ان سے غیر عرب انسانوں کو دعوتِ اسلام کا ثبوت نہیں ملتا، اس

سے رسالتِ محمدی کی وسعت و عمومیت واضح طور پر ثابت نہیں ہوتی!

لیکن نہیں! اس کا ثبوت موجود ہے۔ ذرا چشمِ تصور سے چودہ صدیاں پیچھے مڑ کر دیکھیے، فتح مبین حاصل ہو چکی ہے۔ جزیرۂ عرب دعوتِ اسلام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر چکا ہے، خدا کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منصبِ تبلیغ کا حصہ مکمل کر چکا ہے۔ اور اللہ کی بارگاہ سے وصالِ حق کا پیغام بھی مل چکا ہے۔ رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کے لیے روحِ محمدی بے قرار ہے، مدینہ کی اسلامی حکومت ابھی نوزائیدہ بچہ ہے کسی طاقت سے ٹکرانے کی ظاہری و مادی صلاحیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر رسالتِ محمدی نے ابھی تمام انسانیت سے خطاب کرنا ہے، چنانچہ داعیٔ حق اللہ کے حکم سے اس وقت کے دنیا کے تمام بادشاہوں کے ذریعے تمام عالم انسانیت سے مخاطب ہوتے ہیں۔ ہر بادشاہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسلم تسلم! مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے! اور اگر انکار کیا تو تمہاری قوم کے کفر و عصیان کی ذمے داری بھی تمہاری گردن پر ہو گی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسے نازک موقع پر اور ناموافق حالات میں اس وقت کے دو ہیبت ناک جابر بادشاہوں یعنی روم اور ایران کے شہنشاہوں کو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی دعوت دینا کوئی معمولی بات تھی؟ مگر یہ حکم ربانی تھا، قدرت کا منشا تھا، رسالتِ محمدی کی وسعت و عمومیت کا تقاضا تھا کہ بارگاہِ ربانی میں حاضری سے پہلے تمام انسانیت تک دعوتِ اسلام پہنچا دی جائے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نبوت کا آغاز محدود دائرہ (کی شکل میں ہوا۔ آہستہ آہستہ یہ دائرے سمٹ کر ایک دائرے کی شکل اختیار کر گئے۔ انسانیت کا ذہنی شعور جیسے جیسے ترقی کرتا رہا، علم و معرفت کی روشنی عام ہوتی گئی، اسی قدر پیغامِ ربانی کا طریقہ بھی بدلتا رہا، حتیٰ کہ رسالتِ محمدی کی وسعت و عمومیت کے دائرے نے سب کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ سب انبیائے کرام کی تصدیق ہو گئی۔ سب کی تعلیمات کا مرکز ایک ہی بتا دیا گیا کہ آدم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک نبوت کے توسط سے جو پیغامِ حق انسانوں تک پہنچتا رہا، اس کا نقطۂ مرکزیت ایک ہی تھا، سب توحید کے داعی اور ایک ہی دینِ حق کی تبلیغ کے لیے آتے رہے، جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ پرائمری سے تعلیم کا آغاز

ہوتا ہے، یونیورسٹی پر مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انبیائے سابقین اپنے اپنے مکاتب کے ذریعے انسانیت کی رہنمائی کرتے رہے جس کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو گئی۔ آپ کی آمد سے دنیا میں علم اور آزادی کا اجالا ہو گیا، اس کے بعد اندھیارے چھٹتے چلے گئے اور روشنی عام ہوتی چلی گئی، انگریز مستشرق نکلسن کے الفاظ ہیں:

wilk The appearane of Muhammad (peace be upon him) The almost impenetrable veil thrown over the preceding age is suddenly lifted and we find over selves on the solid ground of historical tradition.

اللہ نے ازل میں اولادِ آدم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کی آخری کڑی کا وقت آگیا۔ قدرت کا نظامِ ہدایت تکمیل کو پہنچا۔ پہلے نبیوں کی تعلیمات ایک وقت کے لیے تھیں اس لیے محفوظ نہ رہیں، رسالتِ محمدی تمام زمانوں کے تمام انسانوں کے لیے تھی، اسی لیے یہ جامع اور مکمل شکل میں محفوظ ہو گئی۔ یہاں سے آپ کو ختمِ نبوت کی حکمت بھی معلوم ہو گئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پائے کہ ان پر وہ روشنی مکمل ہو گئی جو خلافتِ ارضی کا کام چلانے کے لیے حضرتِ انسان کو درکار تھی۔ اب علم حاصل کرنا سب کا فرض ٹھہرا، علم اور سائنس پر کوئی پابندی نہ رہی اور ساتھ ہی انسانیت کو ایک جامع و مکمل ضابطۂ حیات بھی مل گیا۔

اس کائنات کی وسعتیں بے انتہا ہیں اور اس کی حدود انسانی عقل و فہم سے برتر و ماورا ہیں، انسانی ذہن کی قوت فکر کی وسعت و گیرائی کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے قدرتِ ربانی کے اس پُر ہیبت کارخانے کی ابتدا ہوتی ہے۔ کائنات کی یہ وسعتیں خالقِ کائنات کا اعجاز پیش کرتی ہیں۔ اس وسعتِ اعجاز پر خالق کائنات کو فخر بھی ہے اور اس نظامِ کائنات کی ان وسعتوں اور حقیقتوں کا علم بھی صرف وہی رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان واجب الاذعان ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ (المدثر، ۳۱)

تیرے پروردگار کے عجائب مخلوقات کو صرف وہی جانتا ہے۔

اس میں اشارہ اس بات کا ہے کہ کائناتِ فطرت کی روح دراصل وسعت و عمومیت ہے، فطرت کو وسعت و عمومیت پسند ہے، ایسی وسعت و عمومیت جو دائرہ حدود سے باہر ہو، جو تنگی و تحدید سے آشنا نہ ہو، فطرت کو تنگی اور تنگ نظری سے نفرت ہے، اس لیے فطرت کے اس وسیع نظام کائنات میں بقا اور دوام صرف اسے حاصل ہو سکتا ہے جو وسعت کو قبول کرے، اس لیے رسالتِ محمدیؐ کو اللہ تعالیٰ نے یہ وسعت اور عمومیت اس لیے دی ہے کہ اسے بقا اور دوام بخشنا مقصود تھا۔ اسلام کی بنیاد وسعت آشنا ہے، اس کی تعلیمات کا غالب پہلو وسعت اور عمومیت ہے، ان کی رو سے مومن تو مومن کا بھائی ہے ہی، انسان بھی انسان کا بھائی ہے۔ سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، سب یکساں طور پر قابلِ عزت و احترام ہیں، سب ایک دوسرے کا درد بٹانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں، اسی جذبۂ انس و ہمدردی نے تو انسان کو انسان کے لقب سے نوازا!

انسان کے تمام دکھ درد کا خلاصہ صرف دو باتیں ہیں، گزشتہ زمانوں میں بھی انسان کے یہی دو مسئلے تھے، آج بھی یہی دو مسئلے ہیں اور کل بھی اس کرۂ ارضی پر انسان کے اصل مسئلے دو ہی رہیں گے۔ ایک آزادی کی زندگی اور دوسرا زندہ رہنے کا سامان! یا دوسرے لفظوں میں غلامی اور بھوک انسان کے لیے دو مشکلات ہیں۔ رسالتِ محمدیؐ ان دو مشکلوں کو حل کرنے کو انسان کی کٹھن ذمے داری اور بنیادی فریضہ قرار دیتی ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ (البلد: ۱۰-۱۴)

ہم نے انسان کو دو مشکل راستے دکھا دیے مگر وہ مشکل گھاٹی میں نہ کود سکا، تجھے معلوم ہے وہ مشکل یا کٹھن گھاٹی ہے کیا؟ غلاموں کو آزاد کرانا اور بھوک والے دن کھانا کھلانا!

اگر آپ کرۂ ارضی پر بسنے والی انسانیت پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ آج کی بیشتر انسانیت یا تو آزادی چاہتی ہے، ہر قسم کے ظلم و تسلط اور استحصال و محکومیت سے آزادی اور یا پھر وہ افلاس و احتیاج اور بھوک سے نجات حاصل کر کے خوش حالی اور سکون کی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ قرآن کے مطابق یہ دو کام ہر انسان کا پیدائشی و بنیادی فریضہ بھی ہے اور حق بھی، حقیقت تو قرآن کریم کے تو ازن سے ہی حقیقی سکھ اور چین والی زندگی میسر آ سکتی ہے۔

رسالتِ محمدی کے پیغامِ برحق میں کہا گیا تھا کہ الخلق عیال اللہ یعنی مخلوق تو اللہ کا کنبہ ہے۔ کسے معلوم تھا کہ دنیا سمٹ کر ایک دن ایک کنبہ ہی بن جائے گی؟ مگر دنیا آج ایک ہی خاندان کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ وقت اور مسافت کے فاصلے مٹ گئے ہیں، سارا کرۂ ارضی ایک گھر نظر آتا ہے، جس کے مکین ایک خاندان کے افراد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ افراد ایک ایسے نظامِ حیات کے طالب ہیں جو اس گھر کو ابتری و بدنظمی سے بچائے، سکون اور خوش حالی کو عام کر دے تاکہ دنیا میں صلح و امن اور تحمل و بردباری کے ساتھ بلند اخلاقی کا دور دورہ ہو جائے، اس گھر کو ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جو تمام افرادِ خاندان کو ایک ہی لڑی میں پرو دے تاکہ وہ باہم شیر و شکر ہو کر منشائے ربانی کے مطابق زندگیاں بسر کر سکیں۔ ایسا نظامِ حیات رسالتِ محمدیؐ میں پیش کیا گیا ہے جو اپنی وسعت و عمومیت کی بنیاد پر نسلِ انسانی کو وحدت کی لڑی میں پرو سکتا ہے اور اسلامی اخوت ایک ایسا رشتہ پیش کرتی ہے جس سے آدم کے تمام بیٹے عزت و احترام کے ساتھ سکھ چین کی خوش حال زندگی گزار سکتے ہیں، مشہور مستشرق جے ایس ہوئے لینڈ بھی اسی نتیجہ پر پہنچا تھا:

"Islam inculcated a solid and practical spirit of brother-hood and equality. The fellow feelings of the Muslims, from Morocco to China, whatever their shade or colour, Language or nationality, is a great object lesson to the man kind in the possibility of a universal brotherhood based on spiritual ideals!

اساسیاتِ اسلام

مولانا محمد حنیف ندوی

اسلام کے بنیادی تصورات کیا ہیں اور کس حد تک ان سے فرد و معاشرہ کے تقاضے پورے ہوتے ہیں، موجودہ دور کے غلط علمی رجحانات نے کن غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے اور اسلام کے نقطۂ نظر سے ان کا کیا جواب ہے؟ اسلام علوم و فنون کے ارتقا کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے اور عقیدہ و عمل کے وہ کون سے خطوط ہیں جو انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں؟

اساسیاتِ اسلام میں ان سوالات سے متعلق بڑے یقین پرور اور پُراثر اسلوب میں بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسلام میں ان تمام مشکلات کا تسلی بخش حل پایا جاتا ہے، جن سے کہ آج نوعِ انسانی دوچار ہے۔

صفحات ۲۸۴ + ۱۶ قیمت ۲۵ روپے

سپرٹ آف اسلام اردو ترجمہ روحِ اسلام

سید ہادی حسن

سید امیر علی کی اس شہرہ آفاق کتاب کا عربی، فارسی اور بعض دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے اسلام کے اساسی عقاید کی حقانیت اور اس کی عالمگیر تہذیب کی برتری کو عہدِ حاضر کے عقلی و فلسفیانہ معیار پر پرکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام نہ صرف اس دور میں جب کہ اس کا ظہور ہوا بلکہ آج بھی انسانیت کے لیے سب سے اعلیٰ اور برتر پیغام ہے۔

اصل کتاب انگریزی زبان کا ایک ادبی شاہکار ہے۔ سید ہادی حسن صاحب نے کتاب کے اردو ترجمے میں اس کی ادبی شان کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔

صفحات ۱۶ + ۷۲۴ قیمت ۴۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور